سابق ریاست بہاول پور: رسوم و رواج کے آئینے میں

ڈاکٹر شاہد حسن رضوی*

In this article, customs and traditions of Bahawalpur are investigated. In historical terminology, it is referred as Hakara valley civilization. This civilization resided by the sides of river Hakara, as the river changed its course of flow the Hakara civilization vanished in the folds of time. The author has discussed the various religions and civilization effects on the area. The geography of the land, the closeness with desert Cholistan reflects in people moods, songs and literature. The people wear simple clothes that suit their environment that is loose Trousers (Shalwar) and loose Shirt called choola and cover their heads with head gears called pagri The advent of Muslims further enhanced the culture of the people in this region. The women jewelry, attire and their peculiar way of life is also peeped through. Marriage, birth, death and other seasonal and religious customs and ceremonies of Muslims and non-Muslims gives close touch to the life of natives of Bahawalpur.

سابق ریاست بہاول پور (۱۷۲۷-۱۹۵۵) متحدہ ہندوستان کی دوسری بڑی اسلامی ریاست تھی جہاں اسلام اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے اس کی حیثیت نمایاں اور مثالی تھی۔ جنوب مشرقی صحرائی پٹی بھارت اور پاکستان کے درمیان آج ایک فطری بفرزون (Buffer Zone) کی صورت میں ایک مضبوط دفاعی لائن ہے جبکہ یہ علاقہ پنجاب اور سندھ کو ملانے کا واحد زمینی راستہ(Territorial Contact) ہے۔ ۱۸۶۶ء سے قبل ریاست بہاول پور مختلف انتظامی یونٹوں منچن آباد، خیر پور، بہاول پور، احمد پور، خان پور اور صادق آباد پر مشتمل تھی جسے

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ ومطالعہ پاکستان، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور۔

بیسویں صدی کے آغاز میں تین انتظامی یونٹوں بہاول پور، بہاول نگر اور رحیم یار خاں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سر زمین بہاول پور تہذیبی و ثقافتی لحاظ سے بہت زرخیز ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب کا وسطی علاقہ (The Central Indus Valley Civilization) ہونے کی وجہ سے اس کی تاریخی و ثقافتی حیثیت مسلمہ ہے۔ موہنجوداڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا اور ٹھٹھہ کے تسلسل میں یہاں بھی ایک عظیم تہذیب پروان چڑھی جسے ''وادی ہاکڑہ کی تہذیب'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[۲] اگرچہ اس کے عظیم آثار امتداد زمانہ کے ہاتھوں روبہ زوال ہیں۔ وادی ہاکڑہ کی تہذیبی ثروت عظیم دریائے ہاکڑہ کی رہین منت رہی اور جب ہاکڑہ تاریخ کے اوراق میں کہیں گم ہو گیا تو اس تہذیب نے بھی اپنا دامن سمیٹ لیا۔

وادی ہاکڑہ پر مختلف ادوار میں مختلف اقوام، مذاہب اور تہذیبوں کی گرفت رہی۔ ابتداء میں آریا، ہندو مت کے غلبہ کے ساتھ وارد ہوئے بعدازاں جین اور بدھ مت کی آمد نے اس خطے کی تہذیب و ثقافت کو نیا آہنگ دیا۔ سوئی وہار کے قریب ٹیکسلا کی طرز پر ایک قدیم بدھ یونیورسٹی کے آثار کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ خطہ کبھی بھکشوؤں کی عظیم علمی و روحانی تربیت کا مرکز رہا ہوگا۔ وادی ہاکڑہ کا ایک مرکزی شہر اوچ تہذیبی ندرت و یکتائی کا حامل رہا ہے۔ یہاں قدیم ادوار میں کئی دستکاریاں موجود تھیں۔ علاوہ ازیں یہ شہر ایک عظیم تجارتی اور عسکری مرکز تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب اسکندر اعظم (ف۔ ۳۲۳ق۔م۔) اس خطے میں آیا تو اس نے یہاں ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی قائم کی۔[۳]

اگرچہ یہ سرزمین قبل از اسلام تہذیبی و ثقافتی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے بے مثل تھی لیکن اسلام کی آمد نے اس کی تہذیب و ثقافت میں مزید نکھار پیدا کیا محمد بن قاسم کے ہاتھوں راجہ داہر کی شکست عتبہ بن مسلمہ تمیمی کے پہلے مسلمان حکمران بننے اور علماء و صوفیاء کی شبانہ روز محنت سے اس خطے کی تہذیب و ثقافت نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ تاہم ایک عامل جس کا تذکرہ کرنا یہاں بے جا ہو ہوگا وہ اس خطہ میں آبادکاروں (Settlers) کی آمد ہے جنہوں نے یہاں کی ثقافت کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔ بلکہ آج کی بہاول پوری تہذیب و ثقافت جسے بڑی آسانی سے ''ریاستی کلچر'' کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اس کی آرائش و پرداخت میں آبادکاروں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔[۴]

جب برصغیر پاک و ہند میں مغل حکومت روبہ زوال ہوئی تو یہ خطہ بھی انتشار اور طوائف

الملوکی کا شکار ہو گیا۔ اس سیاسی طاقت کے خلاء کو سندھ سے آنے والے داؤد پوترہ عباسیوں نے پر کیا اور یہاں ایک ایسی مضبوط حکومت کا ڈول ڈالا جو اپنے آغاز سے لے کر الحاق پاکستان تک ایک آزاد اور خود مختار ریاست کی صورت میں ترقی کی منازل طے کرتی رہی۔ ۵

خطہ بہاول پور کی آب و ہوا میں گزشتہ اڑھائی سو سال سے کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ صحرا کی قربت کی وجہ سے برّی اثر (Continental Effect) نمایاں ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھار درجہ حرارت 50 سنٹی گریڈ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کم بارش کا گرم اور خشک علاقہ ہے۔ ریاستی لوگوں کی موسم گرما میں خوشی کا ایک باعث بارانِ رحمت بھی ہے۔ جس کی غالب وجہ اس کی موسم گرما میں غیر یقینیت ہے۔ بارانِ رحمت کی دعا کے ساتھ ساتھ "ڈھن" (جنوبی صحرائی ہوا) چلنے کی دعا بھی مانگی جاتی ہے۔ اور مقامی لوگ ڈھن کو دھرتی کے لئے شہد جیسی افادیت کا حامل قرار دیتے ہیں۔۶ آب و ہوا اور ماحول کے مقامی لوگوں کی طبعیت، مزاج، عادات و اطوار لباس اور رسوم و رواج پر اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ موسمی اثرات کی وجہ سے ہی یہاں کے لوگوں کا مجموعی طرز زندگی نہایت سادہ ہے جس کی ایک پہچان سادہ لباس ہے۔ عام طور پر یہاں کرتا، شلوار اور چادر مستعمل ہے۔ یہاں کرتے کو مقامی طور پر "چولا" کہتے ہیں جسے شلوار اور تہد دونوں کے ساتھ پہنا جاتا ہے۔ موسمی اثرات ہی کے زیر اثر ریاست بہاول پور کے دیہی علاقوں میں بالخصوص پگڑی یا ٹوپی کا استعمال عام ہے۔ صحرائے چولستان میں عموماً مقامی طور پر رنگائی گئی پگڑی پہننے کا رواج ہے جس کا رنگ میل کو ظاہر نہیں ہونے دیتا اور یہ پگڑی پہننے والے کو ریت اور لو دونوں سے بچانے کے کام آتی ہے۔ ۷) ریاستی عورتیں شوخ اور تیز رنگ کے لباس زیادہ استعمال کرتی ہیں۔ زنانہ قمیض پر کڑھائی یا سیپ کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں قمیض کے علاوہ گھگرا عورتوں کا پسندیدہ پہناوا ہے مسلمان چولستانی خواتین کے گھگرے ایڑیوں تک ہوتے ہیں جبکہ غیر مسلم خواتین کے گھگرے لمبائی میں کم مارواڑی طرز کے اور تیز رنگوں والے ہوتے ہیں۔۸

بہاول پور کی قدیم معاشرت میں عورتوں کی نقل و حرکت کم ہی ہوتی تھی اور با امر مجبوری گھر سے نکلنے کے لئے پردے کا اہتمام جالی دار برقعے کی صورت میں کیا جاتا تھا۔ پردے کے اسی اہتمام کے پیش نظر نواب آف بہاول پور نے ایک فرمان جاری کر دیا کہ کھجوروں پر چڑھنے والے لوگ

(جنہیں مقامی زبان میں چاڑھے کہا جاتا ہے) ایسے وقت میں پھل اتارا کریں جب گھریلو خواتین اپنے روزمرہ کام کاج نمٹا کر دوپہر کو سوئی ہوئی ہوں اس کے لئے دوپہر ایک بجے سے سہ پہر چار بجے تک کا وقت مخصوص کیا گیا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ چاڑھا کھجور پر چڑھنے سے پہلے تین بار صدا لگا کر آس پاس کے گھروں کو خبر دار کیا کریگا پھر گرمیوں کی دوپہر میں اس طرح کی آوازیں سنائی دیتیں:

پردے آلے پردہ کرو کھجّی تے چاڑھا چڑھ دے

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ صدا اسی لہجے اور آہنگ کے ساتھ ایک عمدہ ثقافتی روایت کے طور پر آج بھی سرزمین بہاول پور کی فضاؤں میں گونجتی ہے۔ جب بھی کوئی مزدور، ترکھان، مستری یا معمار کسی کام کی غرض سے دیوار یا مکان پر چڑھتا ہے تو وہ تین بار یہ آواز لگاتا ہے:

پردے آلے پردہ کرو درکھان مزدور کوٹھے تے چڑھ دے[۱۰]

زیور دیگر تہذیبوں اور معاشرتوں کی طرح بہاول پوری نسائی معاشرت کا ایک اہم جزو ہے۔ یہاں خواتین کے زیور اسلامی تہذیب سے زیادہ یہاں کی قدیم ہندو تہذیب سے مشابہت رکھتے تھے اور ان کی تعداد اور ورائٹی کے ساتھ ساتھ وزن بھی بہت زیادہ تھا۔[۱۱] کانوں کے زیور از قسم بالیاں، مرکیاں، چھلکو، کانٹے، جھمکے، والے، بوڑے، ڈیڈھیاں، پنڈیان وغیرہ عام مستعمل تھے۔[۱۲] کانوں کی بالیاں بہت وزنی ہوتی تھیں، چولستانی جو بالیاں پہنتے تھے وہ بھی وزن کے لحاظ سے بے مثال تھیں۔ بالیوں کی ایک جوڑی بتیس تولے تک وزنی ہوتی تھی، جھمکے بھی وزنی ہوتے تھے مگر بالیوں کی نسبت بہت کم ریاستی دور کی امیر اور متمول خواتین سونے کے جھمکے بنواتی تھیں۔[۱۳] عموماً ان کا وزن تین تولے تک ہوتا تھا۔ ناک میں پہننے کا زیور، نتھ، بولا، پوپا، نتھلی، بنیر وغیرہ گلے میں پہننے کا زیور ہسی، مالھاں، تختیاں، پڑیاں، کنٹھالا، حمائل، دل پاک، چندن ہار، رنجیر والے بٹن وغیرہ خواتین میں یکساں مقبول تھے اور آج بھی ہیں۔[۱۴] بولا زیادہ تر چولستانی خواتین کا مقبول ترین زیور ہے۔ ہسی گردن کے ساتھ ساتھ دائرے کی شکل میں ہوتی ہے اور روایتی ہسی چالیس تولے کی ہوتی تھی اور عموماً چاندی سے بنائی جاتی تھی۔ انگلیوں میں پہننے کے زیور چھلا، انگوٹھی، ویڑھ، پنجہ وغیرہ، بازو میں پہننے کے زیور، بہوٹے، جھابے، عطردان، بازو وغیرہ کلائی میں پہننے کے زیور کنگن، چوڑیاں، چوڑ، کانچ کی چوڑیاں، لنگیاں،

پہنچیاں، گھڑی وغیرہ۔[۱۵] پاؤں میں پہننے کے زیور کڑے، لچھے، رمجھول، پازیب، توڑے، پیرا کڑے، بستیاں، گھنگرو، وغیرہ ریاستی خواتین میں مستعمل تھے اور ان کی متنوع اقسام آج بھی سرزمین بہاول پور کے طول و عرض میں مقبول و مروج ہیں۔[۱۶] قدیم ریاستی ثقافت کے لباس اور زیورات منفرد تھے یہی یہاں کی پیدائش، شادی او رموت کی رسومات بھی دیگر ثقافتوں سے الگ تھلگ ہیں۔ درحقیقت خوشی ہو یا غمی یہاں کی ثقافت ہر دو جذبات کی بھرپور عکاس ہے۔ عام دستور کے مطابق ریاست میں بھی بچے کی پیدائش پر خوشیاں عروج پر ہوتی تھیں اور بچوں کا نہ ہونا پریشانی اور دکھ کا باعث تھا۔ کسی گھر میں زیادہ عرصہ تک بچہ پیدا نہ ہوتا تو ہزارہا جتن کیے جاتے۔ دائیوں کے ٹونے ٹوٹکے، مولویوں کے تعویذ، حکیموں کے نسخے آزمانے کے بعد بالآخر کسی خانقاہ پر منت مانی جاتی۔ منت کے الفاظ ریاستی زبان میں کچھ اس طرح ہوتے تھے۔ پیرا لال، ڈیوا لال چڑھی کجاویں آساں، وجدیں لغاریں آساں، نچساں، ٹپساں، واجے وج وجیساں، بال دی جھنڈ لہویساں، تے تیڈی درگاہ تے آٹا کھٹا آن ڈے ساں۔[۱۷]

مقامی رسم و رواج کے مطابق دلہن کے پہلے بچے کی پیدائش میکے میں ہوتی اس کی ایک وجہ پہلی بار سسرال کی خواتین پر بھروسہ نہیں کیا جاتا اور میکے والے انتہائی نگہداشت کا اہتمام کرتے اور پہلی زچگی کا تمام خرچ خود برداشت کرتے۔ پیدائش کے بعد بچے کو نہلا دھلا کر اس کے دائیں کان میں اذان دی جاتی۔ گھر کا کوئی نیک بزرگ بچے کو گھٹی دیتا۔ اس کے لیے بکری یا گائے کے دودھ میں شکر، شہد یا چینی ملائی جاتی،[۱۸] یا خالی شہد انگلی سے یا لیپ کے خول سے بچے کے منہ میں ٹپکایا جاتا۔ پیدائش کے چوتھے دن قریبی رشتے داروں کے اجتماع میں جھنڈا تروائی جاتی اور ماں باپ اپنی حیثیت کے مطابق بالوں کے تول کے برابر سونا یا چاندی یا اتنی رقم خیرات کرتے۔[۱۹] اولین اولاد اگر بیٹا ہو تو خوشی دوبالا ہوجاتی اورلڑکے کی پیدائش پرریاست میں رشتہ دارخواتین و حضرات پر خوشی میں رنگ بھی ڈالے جاتے۔[۲۰]

بیٹے کی پیدائش پر رتجگا جسے مقامی زبان میں جاگا کہاجاتا ہے خوشی کی معروف رسموں میں سے ایک ہے۔ جاگے میں دلہن کی سہیلیاں اور رشتہ دار خواتین شامل ہوتی ہیں۔ جاگا میں تمام عورتیں رات گئے تک خوشی کے گیت گاتی ہیں۔ مٹھائی، بتاشے اور کھانے کا اہتمام ہوتاہے۔[۲۱] اس موقع پر ہیجڑوں کی آمد اور ناچ گانابھی مقامی ثقافت کا حصہ ہے۔ یہ لوگ خوب ناچتے، سہرے گاتے اور دعائیں دیتے ہیں

بچے کے والدین انہیں رقم یا جنس از قسم آٹا، گڑ یا چاول وغیرہ دے کر راضی کر کے رخصت کرتے ہیں۔۲۲ ریاست میں غیر مسلم اقوام بالخصوص بانوریوں میں پیدائش کی رسوم مخصوص و مختلف ہیں۔ جب بچے کی پیدائش کو پانچ دن گزر جاتے ہیں تو ماں کو درمیان میں بٹھا کر اردگرد آٹے سے دائرہ بنایا جاتا ہے اسے "چترائی" کہتے ہیں درمیان میں اپلوں کی آگ روشن کی جاتی ہے۔ اس دوران بچے کو غسل دیا جاتا ہے جبکہ دوسری عورتیں پوجا کرتی ہیں اور آگ میں گھی ڈالتی ہیں۔۲۳

مسلمانوں میں بچے کی رسم ختنہ جسے "طہور" کہا جاتا ہے ایک ضروری فریضے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ عموماً دس سال سے پہلے پہلے ختنہ کروالیا جاتا ہے۔ مقامی لوگ رسم ختنہ پر برادری کے لوگوں کو مدعو کرتے ہیں اور دعوت ولیمہ کی طرز پہ کھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

بہاول پوری ثقافت میں خوشی کی رسموں میں شادی کی رسمیں بھی منفرد اور اہم ہیں۔ قدیم ریاستی دور میں بچوں کی بلوغت کے ساتھ ہی والدین کو ان کی شادی کی فکر لاحق ہوجاتی تھی شادی کے طریق کار میں سرائیکی علاقوں میں کافی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ریاست میں شادیاں اگرچہ سیدھے سادے طریقے سے انجام پذیر ہوتی تھیں لیکن یہ وہ تقریب ہوتی جس میں ثقافت سمٹ کر رہ جاتی بلکہ رسومات کے تمام پھول ایک خوش کن گلدستہ کی شکل و صورت اختیار کرلیتے۔۲۴

ریاست بہاول پور میں شادی زیادہ تر قریبی عزیزوں میں کی جاتی تھی عربوں کی طرح یہاں بھی خالہ زاد، چچازاد، ماموں زاد اور پھوپھی زاد سے شادی کو اچھی روایت خیال کیا جاتا۔۲۵ اسی طرح چولستانی باشندے شادیاں عموماً اپنے قبیلے ہی میں کرتے اور عموماً لڑکا اور لڑکی کم عمری میں ہی ایک دوسرے سے منسوب کردیے جاتے۔۲۶ ریاست میں وٹہ سٹہ کی شادی کا بھی عام رواج تھا اور آج بھی ہے تاہم اس کا ایک معیوب پہلو یہ ہے کہ بعض غریب لوگ اپنی بیٹی بہن کے وٹہ سٹہ کے بدلے پیسے لے لیتے ہیں اگرچہ یہ سب چھپ چھپا کر کیا جاتا ہے تاہم ایسا کرنے والوں کو برادری طعن و تشنیع کا نشانہ بناتی ہے۔۲۷ شادی کے آغاز سے لے کر انجام بالخیر تک کی کئی رسمیں ہیں جن میں بوچھن سٹن (لڑکی کے گھر والوں کو دوپٹہ پیش کرنا، دعائے خیر رشتہ طے ہوجانے پر برادری کا(اکٹھ اور دعا)، منگنڑاں یا منگنا، انگوٹھی پہنانا، تحائف دینا، روٹی خوان، (منگنی کے بعد اور شادی سے پہلے کی رسم جس میں لڑکا لڑکی والوں کے گھر آتا ہے اور جس برتن میں کھانا کھاتا ہے اس میں گیارہ روپے ڈال دیتا

ہے لڑکے کو لنگی یا سونے کی انگوٹھی پیش کی جاتی ہے)، دیہاڑے گنن یا گنڈھیں پاون (شادی کی تاریخ کا تعین) وری سوئی بھنن (شادی سے قبل لڑکے والوں کی طرف سے کپڑے، آٹے، گھی، شکر، میوہ جات، تیل وغیرہ کا لڑکی والوں کو تحفہ)مینڈھی چھڑاون، تیل کی رسمیں، مہندی، کھارا چڑھائی، (دولہے کو نہلانے کی رسم)، ڈھکنی بھنن ،(مٹی کی ڈھکنی کو پاؤں کی ایڑی سے توڑنا)، آرسی، آئینہ میں دولہا دلہن کا ایک ساتھ چہرہ دیکھنا، لاواں ڈیون، دلہا کے رومال کو دلہن کی رنگین چادر کے پلو سے باندھنا اور پھر لاگ کے پیسے دینا، دودھ پلائی، اور جوتا چھپائی، (جتی لکاون)، واگ کی رسم، جس میں دلہن جب اپنے سسرال آتی ہے تو گھر کی دہلیز پر رک جاتی ہے اس موقع پر سسر اپنی حیثیت کے مطابق رقم یا واگ (مویشی) دے کر گھر داخل ہونے پر راضی کرتا ہے وغیرہ اہم رسمیں ہیں۔ دلہن کے گھر میں داخلے پر اسے رقم کے علاوہ لالٹین، مٹی کی مندھانی اور ایک چھوٹا بچہ دکھایا جاتا ہے جو اس بات کا علامتی اظہار ہوتا ہے کہ اسی طرح اس کے گھر میں روشنی، دودھ مکھن کا وفور اور صالح اولاد کا ظہور ہو۔ دلہن شادی کے بعد چھ دن شوہر کے گھر رہتی ہے اور ساتویں دن واپس اپنے والدین کے گھر آتی ہے اور چھ ہفتہ وہاں رہتی ہے اس رسم کو ستوواڑہ کہتے ہیں۔[۲۸]

اب کچھ ذکر ریاست کے غیر مسلموں کی شادی کی رسومات کا بھی۔ یہ لوگ زیادہ تر شادی چیت اور پوھ کے مہینوں میں کرتے ہیں۔[۲۹] ان کی شادی کی رسمیں کچھ یوں ہیں کہ لڑکے کا والد، برادری کے ہاتھ لڑکی والوں کے گھر رشتہ بھیجتا ہے اگر منظور ہوجائے تو لڑکے کا والد ۲۱ یا ۲۵ روپے اور گری کے دو کھوپرے پیش کرتا۔ بعدازاں پنڈت یا برادری کا سربراہ مہورت نکال کر شادی کا موزوں دن تجویز کرتا ہے۔[۳۰] شادی والے دن لڑکی کے گھر بارات روانہ ہوتی تو مرد گیت گاتے ہوئے لڑکی کے گھر پڑاؤ ڈالتے اور اس جگہ لکڑی کے دو پرندے نصب کردیے جاتے ہیں جبکہ دلہن کی برادری کے پانچ یا سات مرد براتیوں کو شربت پیش کرتے۔[۳۱] اس کے بعد دلہن والوں کی طرف سے دلہا کو سرمہ لگانا، رنگ ڈالنا اور دھاگہ توڑنے کی رسمیں ادا کی جاتیں۔[۳۲] پھر چار کھونٹے گاڑ کر سات مرتبہ کچا دھاگہ لپیٹ دیا جاتا ہے اور چاروں طرف آٹے سے چترائی (نشان زدگی) کردی جاتی اور اپلوں کی آگ جلاکر گھی ڈال کر اچھے مستقبل کے لیے مناجات کی جاتیں۔ دلہا اور دلہن آگ کے گرد سات چکر (پھیرے) لگاکر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا عہد وپیماں کرتے ہیں۔ تین چکروں کے بعد دلہا

دلہن کو بٹھادیا جاتا ہے اور عزیز و اقارب رقم اور تحائف پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد باقی ماندہ چار چکر مکمل کیے جاتے ہیں آخری چکر میں عورت آگے اور مرد پیچھے ہوتا ہے۔ شادی کے اگلے دن لڑکے والوں کی طرف سے کھانا دیا جاتا ہے۔ جس میں چھترے کا گوشت پکایا جاتا تھا۔۳۳

بہاول پور کی عائلی زندگی کثیرالازدواجی نوعیت کی ہوتی ہے۔ دوسری شادی کو امارت اور مردانگی کی علامت سمجھا جاتا تھا ہے اور جو لوگ دوسری شادی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وہ موقع بموقع اپنی حسرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر ریاست بہاولپور کے کسی روایتی آدمی سے روپے ادھار مانگیں اور اس کے پاس رقم موجود نہ ہو تو وہ ریاستی کا معروف محاورہ بولتا ہے ”سئیں اتنے پیسے ہوون ہا تاں ڈوجھی شادی نہ کرگھنوں ہا“ ۳۴ (جناب میرے پاس اتنے پیسے ہوتے تو دوسری شادی نہ رچا لیتا) وٹہ سٹہ کی رسم کی وجہ سے دوسری شادی کا ہونا قدرے آسان ہو جاتا تھا بعض بوڑھے تو نئی شادی کے شوق میں اپنی بیٹی کا وٹہ دے کر اپنے لیے نوخیز دوشیزہ بیاہ لاتے۔ وٹہ سٹہ کے عمل میں اگر دولہا موصوف کے پاس دینے کے لیے لڑکی نہ ہو تو ”پیٹ لکھائی“ کی رسم کے تحت وہ اس امر کا اظہار کرتا کہ شادی کے بعد اس کی بیوی کے پیٹ سے جو لڑکی ہوگی وہ اس دلہن کے خاندان کے مقرر شدہ لڑکے سے بیاہی جائے گی۔ ماں باپ بیٹی کو اپنی حیثیت کے مطابق جہیز دیتے تھے جو بہت معمولی اور ضروری اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا لیکن لڑکے والوں کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا تھا۔ اور بیٹی کو وراثت میں سے شرعی حصہ دیا جاتا تھا۔ لیکن افسوس کہ ریاستی دور کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ روایت بھی دم توڑ گئی۔۳۵

خوشی کے بعد اب کچھ ذکر غم کا۔ موت ایک اٹل اور تکلیف دہ حقیقت ہے جس سے فرار کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ سابق ریاست بہاول پور میں موت کی رسمیں سادہ اور اسلامی روایات کے مطابق ہیں۔ اگر کوئی شخص مرنے کے قریب ہو تو اس کے قریب بیٹھ کر قرآن پڑھا جاتا ہے کوئی فرد یا حافظ سورۃ یٰسین بلند آواز میں پڑھتا ہے تاکہ مرنے والے پر سکرات کی سختی کم ہو جائے۔ وہ جب مر جاتا ہے تو گھر میں کہرام مچ جاتا ہے سب روتے پیٹتے ہیں۔ سب کو موت کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ مسجد کا پیش امام اسے غسل دیتا ہے۔ کفن پہناتا ہے۔ خوشبوجات لگاتا ہے اور میت کے سرہانے قرآن مجید رکھتا ہے۔ قریبی رشتہ دار اور ہمسائے خود خرید کر میت پر رنگین چادریں اور لنگیاں ڈالتے ہیں اسے چھاڑے یا

اوچھاڑ سٹن کہتے ہیں۔[۳۶] اگر مرنے والی عورت ہو تو اس پر دوپٹہ ڈالتے ہیں میت کے سرہانے گلاب اور پھول کی پتیاں رکھی جاتی ہیں۔ جنازے سے چالیس پچاس قدم آگے مولوی چلتے ہوئے بلند آواز میں کلمہ شہادت پڑھتا جاتا ہے جنازہ پڑھنے کے بعد قریبی یا خاندانی قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے۔[۳۷]

دفنانے کے بعد گھر واپسی پر فاتحہ ہوتی ہے اور تعزیت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ورثاء کو قریبی عزیز کھانا کھلاتے ہیں اسے ''منہ چھوڑ'' کہا جاتا ہے۔[۳۸] مرنے والے کے گھر تین دن تک آگ نہیں جلائی جاتی اور رشتہ دار اور ہمسائے تین دن تک انہیں کھانا دیتے ہیں۔ تیسرے دن قل خوانی کی رسم ہوتی ہے اور مرنے والے کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پاک پڑھا جاتا ہے۔ اور نیا سوٹ اور دوسری چیزیں خیرات کے نام پر دی جاتی ہیں۔[۳۹] اسی دن اسکے قانونی وارث کے سر پر دستار یا پگ رکھی جاتی ہے اور عزیز رشتہ دار کچھ مالی تعاون کرتے ہیں جسے پگ کا روپیہ کہا جاتا ہے۔[۴۰] اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اب گھر کے سربراہ کی ذمہ داریاں جس کے سر پر پگ رکھی جاتی ہے۔ وہ پوری کرے گا۔ پھر قریبی رشتہ دار مرنے والے کے گھر والوں کو کپڑے دیتے ہیں عورتوں کو دوپٹہ پہناتے ہیں آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں۔ اس کا مقصد سوگ ختم کرنا ہوتا ہے لیکن بیوہ اپنی عدت کی مدت سوگ میں گزارتی ہے۔، عدت کے بعد اس کی ''سوٗ'' اتارنے کی رسم ہوتی ہے سوئم کے بعد بعض گھرانوں میں چہلم تو بعض میں سات جمعراتیں منانے کا رواج پایا جاتا ہے۔[۴۱]

چولستان میں کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے وارث قبیلے کے ہر اس شخص کو ایک سیر دیسی گھی اور سات روٹیاں دیتے ہیں جو ان کے پاس تعزیت کے لیے آتا ہے۔ بعدازاں قبیلے کا ایک معزز شخص سوگ ختم کرنے کا اعلان کرتا اور کہتا ہے کہ آج سے ''ست روٹی'' کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔[۴۲] یہ رسم اگرچہ ورثاء کی سخاوت اور اعلیٰ ظرفی کی عکاس تھی لیکن یہ ورثاء کو مقروض کرنے کا بھی سبب بنتی ہے۔ مرنے والے کی یاد کو قائم رکھنے کی غرض سے سالانہ ختم قرآن پر برادری کا اکٹھ عام رواج تھا اور آج بھی ہے۔[۴۳]

ہندوؤں کے مرنے پر مردوں کو نہلا کر مرگھٹ (قبرستان) لایا جاتا ہے۔ یہاں بھی شادی کی رسم کی طرح چار لکڑیاں نصب کر کے ایندھن اکٹھا کیا جاتا ہے اب کی بار میاں یا بیوی میں سے جو زندہ بچ گیا ہو وہ الٹے چار چکر لگا کر گویا ازدواجی بندھن کو توڑنے کا اعلان کرتا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو

آگ لگادی جاتی۔ جب گیارہ دن گزر جائیں تو مرنے والے کی اگلی مشکلیں آسان کرنے کے لیے روٹی پکا کر تقسیم کی جاتی ہے۔ سوگ منانے کی بس یہی ایک بڑی رسم تھی جو بہاول پوری معاشرت میں ہندو طبقے میں مروج تھی۔۴۴

مذکورہ بالا ریاستی رسوم و رواج کے ساتھ ساتھ مذہبی تہوار بھی مقامی ثقافت کا حصہ تھے۔ مذہبی تہوار جیسے شب معراج، شب برأت اور عید میلادالنبی ﷺ نہایت عقیدت اور احترام سے منائی جاتی تھیں۔ سرکاری طور پر بھی ان مواقع پر خاص اہتمام ہوتا جس میں واعظین، مقررین، اور نعت خواں کو تحائف، انعامات اور سرکاری خلعتوں سے نوازا جاتا تھا۔ محرم الحرام بھی مذہبی عقیدت اور جوش و خراش سے منایا جاتا ہے۔۴۵ اہل تشیع کے ساتھ کسی حد تک سنی بھی تعزیے اور جلوس نکالتے تھے اور ہر طرف سوگ کی کیفیت ہوتی تھی محرم الحرام کے پورے عشرہ میں ریاست کے طول وعرض میں مکمل تعطیل ہوا کرتی تھی۔۴۶ رمضان المبارک بھی روایتی مذہبی احترام کے ساتھ منایا جاتا اور غیر مسلم بھی احترام رمضان میں سرعام کھانے پینے سے اجتناب کرتے ہیں۔۴۷ ریلوے اسٹیشن پر وضو کے پانی کا اہتمام، قبلے کا تعین اور باجماعت نماز کا التزام مسافروں پر خوشگوار تاثر چھوڑ تا تھا۔۴۸ لوگ جوش و خروش سے اعتکاف میں بیٹھتے اور معتکفین کے لیے سرکاری خزانے سے عید کے اخراجات اور تحائف دیے جاتے تھے یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور بے کسوں کو ان کے گھروں میں لوازمات کی رسد ممکن بنائی جاتی۔۴۹

ریاست میں اسلامی قوانین رائج تھے۔ شرعی فیصلے قاضی کورٹس کے ذریعے دیے جاتے۔۵۰ سابق ریاست بہاول پور کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ریاست کی شرعی عدالت نے جسٹس محمد اکبر خان کی سرکردگی میں ۷ فروری ۱۹۳۵ء میں ایک عائلی مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے قادیانیوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ کافر اور خارج ازدائرہ اسلام قرار دیا۔۵۱

اہل ریاست بہاول پور کے عمومی مزاج کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہاں کے قدیم باشندے مذہب پرست، خوش اعتقاد، نرم دل، متوکل، مسافر نواز اور مہمان نواز تھے اور آج بھی ہیں یہاں کے لوگ مقامی اثرات کے ساتھ اسلامی عقائد اور روایات کے بہترین امین ہیں۔ بہاول پور کے لوگ پرانی طرز زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی وضع قطع کے متوالے ہیں۔۵۲ اہل ریاست بہاول پور طبعاً مودب اورعقیدت پسند ہیں۔ ادب و احترام کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ ماں باپ اساتذہ،

اہل سادات اور خاص کر علماء اور پیروں کا احترام اور عقیدت تو ان کی گھٹی میں شامل ہے۔ پیر پرستی یہاں کے لوگوں کا خاصہ ہے۔ یہاں کی معاشرت میں تو ہمات کی بھی گہری چھاپ نظرآتی تھی۔ جس کی ایک وجہ مقامی اثرات ہیں۔

زبان ثقافت کے پھیلاؤں کا اہم ترین ذریعہ ہے ریاست بہاول پور کی مقامی زبان ہونے کا شرف بہاول پوری ملتانی، یا مقامی سرائیکی یا جسے ریاستی زبان کہاجاتا ہے توحاصل ہے۔ اس زبان کی مٹھاس اور فصاحت و بلاغت کا اعتراف تو ایک عالم کرتا ہے۔ اس خوبصورتی اور شائستگی سے ریاستی لوگ بولتے ہیں۔ کہ سننے والے کو اس کا ایک ایک لفظ اپنے دل میں اترتا محسوس کرتے ہیں۔۵۳

کسی بھی علاقے کا ادب اس کی ثقافت کے انعکاس کا بہترین ذریعہ ہے ایک اچھے ادب میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں، ماحول، پیداوار، موسم پرسکون فضاء حسین و جمال، محبت، نفرت اور روایات کو ظاہر کرتاہے۔ ریاستی ادب میں یہ تمام خوبیاں بہ درجہ اتم موجود ہیں۔ ریاستی ادب کے ہر صنف سخن میں روہی کی خوبصورتی کاذکر ناگزیر ہوتا ہے۔ سرائیکی زبان کے سب سے عظیم صوفی شاعر حضرت خواجہ فریدؒ ہیں۔ ان کے کلام میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عشق و محبت بھی ان کے کلام میں خوبصورتی کا باعث ہے خواجہ صاحب کے کلام میں روہی کی جھاڑیوں اور ٹیلوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں کے افکار رجحانات اور اقدار کا بھی ذکر موجود ہے۔ اپنے اس صوفی امام کی پیروی میں دیگر ریاستی شعراء نے اپنی شاعری میں روہی کو ایک خاص مقام دے دیاہے۔ ریاستی ادب نثر کے لحاظ سے کم جبکہ نظم کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ ہے۔ جس میں رومانی داستانیں، نظمیں، غزلیں، کافیاں، حمدونعت ،مولود شریف، مرثیہ، سلام، مثنویاں، ڈوہڑے، گیت اور نثری ادب شامل ہے۔

موسیقی لوگوں کے جذبات اور مزاج کی بہترین عکاسی کرتے ہے اس لیے موسیقی کو ثقافت کا اہم جز گردانا جاتاہے۔ سرائیکی موسیقی تو ویسے ہی جادوئی اثر رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ میٹھے اور دھیمے سروں پر مشتمل ہے۔ بہاولپور میں بغیر ساز کے آہنگ و غنائیت کے ساتھ چٹکیاں بجاکر سرائیکی گیت گائے جاتے ہیں اور چولستان میں تو سرائیکی گیتوں کا خزانہ بکھرا پڑاہے۔ سرائیکی لوگ جھومر بھی ڈالتے ہیں۔ جونہایت مسحورکن رقص ہے۔ جھومر کے دوران جھومری ایک خاص چھوکی آواز اور چٹکی بجاکر آہنگ پیدا

کرتے ہیں۔ اب تو شہروں کے ساتھ ساتھ چولستان میں بھی ہر قسم کے ساز استعمال کیے جاتے ہیں جبکہ پہلے تھال اور گھڑے کی ٹوٹی ہوئی ٹھیکریوں سے ایک خاص آواز پیدا کر کے گیت گاتے تھے۔

چولستانی لوگ گیتوں کے نہایت رسیا ہیں۔ شادیوں میں گیتوں کا ایک انمول خزانے سامنے آتا ہے اور مرد جب دن بھر کی محنت کے بعد رات کو اکٹھے ہوتے ہیں تو محفل میں ان کی کوشش ہوتی ہے کہ لوک گیت گائے جائیں کیونکہ یہ گیت ان کے جذبات کے ترجمان اور خوشیوں کا سامان ہیں گیتوں کے ساتھ ساتھ یہاں لوک قصے، کہانیوں اور داستانوں کا کثیر سرمایہ موجود ہے۔

ریاست بہاولپور کا طرز تعمیر مختلف ہی نہیں بلکہ منفرد بھی ہے۔ ریاست کے نوابوں نے اپنے لیے نہایت خوبصورت محل تعمیر کروائے۔ جن میں نورمحل، گلزار محل، دربارمحل، اور صادق گڑھ پیلس اپنی مثال آپ ہیں۔ ریاست کی تمام عمارات فن تعمیر کے نادر نمونے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ محلات کے ساتھ ساتھ ریاستی قلعہ جات، مزارات، مساجد او ردیگر تاریخی عمارات بہاولپور کا ثقافتی ورثہ ہیں۔

ریاست بہاولپور کو اپنے جغرافیہ، ثقافت و معاشرت اور تہذیب و تمدن کے حوالے سے ہندوستان بھر میں جو منفرد و نمایاں مقام حاصل تھا اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ جو باشندگان ریاست کے فخر کے ساتھ ساتھ قابل تشکر بھی ہے۔سابق ریاست بہاولپور عہد حاضر میں بھی شاہراہ ترقی پر فخر اور اعتماد سے گامزن ہے۔

حوالہ جات

۱- بریگیڈیر سید نذیر علی شاہ،تاریخی بہاولپور، مترجم طاہر صدیق، بہاولپور: سرائیکی ادبی مجلس،۱۹۷۱ء، ص۲۲۔

۲- میر ناصر علی، جغرافیہ ریاست بہاولپور، دہلی: مطبع رضویہ،۱۸۹۲ء، ص ص۹-۱۰۔

۳- حفیظ الرحمٰن حفیظ،مختصر تاریخ تاجداران بہاولپور، لاہور: مکتبہ کراچی،۱۹۲۴ء، ص۱۶۷۔

۴- ڈاکٹر محمد سلیم ملک،بہاول پور تاریخ کے آئینے میں، مشمولہ سرماہی الزبیر بہاول پور نمبرشمارہ نمبر۴، بہاولپور: اُردو اکیڈمی، ۱۹۲۴ء،ص۳۹۔

۵- پروفیسر سید اشرف علی، بہاولپور کی جغرافیائی اہمیت، مشمولہ سرماہی الزبیر بحوالہ بالا،۱۹۹۴ء، ص۱۲۔

۶- احمد غزالی، چولستان، اسلام آباد، ثقافتی ورثہ،۱۹۸۴ء، ص۶۷۔

۷- ایضاً، ص ص۶۸-۶۹۔

۸- ایضاً، ص۳۴۰۔

۹- ڈاکٹر محمد سلیم ملک،بحوالہ سابقہ،۱۹۹۴ء، ص۳۹۔

۱۰- ایضاً، ص ص ۳۹-۴۰۔

۱۱- دلشاد کلانچوی، *بہاولپور دی تاریخ تے ثقافت*، بہاولپور: سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۸۹ء، ص۱۵۷۔

12- Nuruzzaman Ahmad Auj, *Cholistan, Land and People*, Multan: Carvan Book centre, 1991, p. 67.

13- Ibid., pp.71-72.

۱۴- بشیر احمد ظامی، (۱۹۶۵ء) سرائیکی لغات، بہاولپور : سرائیکی ادبی مجلس ل، ص۳۷۷۔

۱۵- احمد غزالی، (۱۹۸۴ء)، بحوالہ سابقہ، ص۳۲۵۔

۱۶- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸ء)، بحوالہ سابقہ، ص ص۱۵۸-۱۵۹۔

۱۷- ایضاً، ص۱۶۰۔

۱۸- ڈاکٹر محمد سلیم ملک، (۱۹۹۴ء)، بہاولپور کی زندگی کا ایک منظرنامہ، بشمولہ سہ ماہی الزبیر، بحوالہ سابقہ، ص۹۰۳۔

۱۹- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸ء)، بحوالہ سابقہ، ص۱۶۱۔

۲۰- احمد غزالی، (۱۹۸۴ء)، بحوالہ سابقہ، ص۱۱۳۔

۲۱- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸ء)، بحوالہ سابقہ، ص ۱۶۲۔

۲۲- بشیر احمد ظامی، (۱۹۶۵ء)، بحوالہ سابقہ، ص۳۵۷۔

۲۳- احمد غزالی، (۱۹۸۴ء)، بحوالہ سابقہ، ص ص۲-۳۔

۲۴- ڈاکٹر محمد سلیم ملک، (۱۹۹۴ء)، بہاولپور کی زندگی کا ایک منظرنامہ، بحوالہ سابقہ، ص۳۰۴۔

۲۵- بریگیڈیئر سید نذیر علی شاہ، (۱۹۷۱ء)، بحوالہ سابقہ، ص۳۲۔

۲۶- ایضا، ص ص۳۴-۳۳۔

۲۷- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸ء)، بحوالہ سابقہ، ص۱۶۴۔

۲۸- ایضاً۔

۲۹- ڈاکٹر محمد سلیم ملک، (۱۹۹۴ء)، ''بہاول پور کی زندگی کا ایک منظر نامہ''، بحوالہ سابقہ، ص۳۰۵۔

۳۰- احمد غزالی، (۱۹۸۴ء)، بحوالہ سابقہ، ص۳۱۳۔

۳۱- ایضاً، ص۳۱۴۔

۳۲- ایضاً، ص۳۱۶۔

۳۳- ایضاً، ص۳۱۷۔

۳۴- ڈاکٹر محمد سلیم ملک، (۱۹۹۴ء)، ''بہاول پور کی زندگی کا ایک منظر نامہ''، بحوالہ سابقہ، ص۳۰۶۔

۳۵- ایضاً، ص۳۰۷۔

۳۶- بشیر احمد ظامی، (۱۹۶۵ء)، بحوالہ سابقہ، ص۳۶۳۔

۳۷- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸ء)، بحوالہ سابقہ، ص۱۷۱۔

۳۸- ڈاکٹر محمد سلیم ملک، (۱۹۹۴ء)، ''بہاول پور کی زندگی کا ایک منظر نامہ''، بحوالہ سابقہ، ص۳۰۵۔

۳۹- ایضاً۔

۴۰- ایضاً۔

۴۱- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸ء)، بحوالہ سابقہ، ص۱۷۲۔

۴۲- احمد غزالی، (۱۹۸۴ء)، بحوالہ سابقہ، ص۲۲۲۔

۴۳- ایضاً، ص۲۲۶۔

۴۴- ایضاً، ص ۲۲۷۔

۴۵- دلشاد کلانچوی، (۱۹۸۸)، بحوالہ سابقہ، ص ۱۲۰۔

۴۶- اکبر علی خان اتیرا، ''چولستان اور چولستانی'' مشمولہ الزبیر چولستان نمبر ۱۹۸۳ء، ص ۱۷۰۔

۴۷- صاحبزادہ قمر الزماں عباسی، (۱۹۸۶ء)، بغداد سے بہاول پور، لاہور: فضل حمید پبلشرز، ص ۱۳۔

۴۸- ایضاً، ص ۲۱۔

۴۹- حفیظ الرحمٰن حفیظ، (۱۹۲۰ء)، بحوالہ سابقہ، ص ۸۔

۵۰- سید عارف معین بلے، (۲۰۰۷)، روہی کے خدوخال، بہاول پور: اردو اکیڈمی، ص ۷۹۔

۵۱- سید زاہد علی واسطی، (۱۹۹۳ء)، بہاول پور کی سرزمین، ملتان: بیکن بکس، ص ۱۸۱۔

۵۲- ڈاکٹر محمد سلیم ملک، (۱۹۹۴ء)، ''بہاول پور ماضی کے آئینے میں'' بحوالہ سابقہ، ص ۱۲۰۔

۵۳- دلشاد کلانچوی، (۱۹۷۳ء)، دیوان خواجہ غلام فرید، بہاول پور: سرائیکی ادبی مجلس، ص ۱۳۱۔